ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS
CC BY NC

ثریا فرید
ایم فل سکالر، انسٹیٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان
ڈاکٹر عبدالرسول ارشد
اسسٹنٹ پروفیسر، انسٹیٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان

ڈاکٹر اسلم انصاری بطور محقق

Surayya Fareed*
M Phil Scholar, Institute of Southern Punjab, Multan
Dr. Abdul Rasool Arshad
Assistant Professor, Institute of Southern Punjab, Multan

***Corresponding Author:** abdulrasoolarshad1980@gmail.com

Dr. Aslam Ansari as a Researcher

Dr. Aslam Ansari was a distinguished researcher whose contributions to Urdu literature were marked by intellectual depth and scholarly rigor. His research was rooted in a deep understanding of classical and modern literary traditions, allowing him to explore diverse aspects of poetry, prose, and criticism. He focused on uncovering the historical, philosophical, and cultural influences that shaped Urdu literature, often drawing connections between literary evolution and societal changes. His scholarly works demonstrated a meticulous approach to textual analysis, examining linguistic structures, thematic developments, and stylistic innovations in literature. Through his research, he contributed to the preservation and reinterpretation of classical Urdu poetry while also engaging with contemporary literary movements. His ability to blend traditional literary scholarship with modern critical methodologies made his research influential, paving the way for a deeper understanding of Urdu literature's richness and complexity. His work remains a valuable resource for students, academics, and literary enthusiasts, solidifying his place as a pioneering researcher in the field.

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلّہ

Key Words: *Researcher, Urdu Literature, Scholarly Rigor, Textual Analysis, Literary Traditions, Philosophical Influences, Critical Methodologies*

دنیا کے اکثر بڑے شاعروں، مصنفوں اور لکھاریوں نے اپنے عہد کے اور اپنے عہد سے پہلے لوگوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے تاکہ آنے والے قاریوں، تخلیق کاروں اور تحقیق کاروں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسی طرح ڈاکٹر اسلم انصاری نے بھی اس دور کے لوگوں کی زبان، تہذیب اور تاریخ و ادب اور ان کی سوچ کو، نظریے کو سمجھنے میں ہماری مدد کی ہے۔

اسلم انصاری اُردو ادب کے ایک عظیم محقق اور نقاد ہیں جنھوں نے ادب کے میدان میں گراں قدر جذبات انجام دیں۔ انہوں نے اُردو زبان و ادب پُر اثر موضوعات پر تحقیق کی اور اپنے تنقیدی مضامین اور تصانیف کے ذریعے ادب کے معیار کو بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری کی تحریریں اُردو ادب کی گہری سمجھ اور وسیع مطالعے کا مظہر ہیں۔ انہوں نے اپنی تحقیق میں معاشرتی، تاریخی، تہذیبی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ادب کے مختلف موضوعات کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ ان کی تصانیف اور مقالات ادب کو طلباء اور محققین اپنے لیے قیمتی اسباب سمجھتے ہیں۔ ان کا محققانہ انداز بے حد متوازن اور معروضی ہوتا ہے۔ جس میں انہوں نے ادبی تخلیقات کی خوبیوں اور خامیوں کو دیانتداری سے پیش کیا ہے۔

اناطول فرانس کے قول کے مطابق:

> ”اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اوقات کسی شاعر کے ایک ہی خوبصورت اور موثر شعر نے دنیا والوں کو فائدہ پہنچایا ہے کہ مشتری کے تمام بڑے شہکار مل کر بھی فائدہ نہ پہنچا سکے۔“ (۱)

کوئی بھی تحقیقی کارنامہ ہو وہ محض مہارت اور شعری اور نثری کاوشوں سے تشکیل نہیں پا سکتا جب تک اس کے پیچھے گہرے مطالعے کا شعور اور ادراک نہ ہو۔ ڈاکٹر اسلم انصاری اپنے اندر ایک ایسا بے لوث ادبی اور علمی جذبہ رکھتے ہیں۔ جس سے اُن کی تحریروں میں ایک عکس نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> ”آج پورے ملک میں اسلم انصاری جیسے لوگ کامیاب ہوں گے جو چار زبانوں، اُردو، فارسی، انگریزی، سرائیکی میں تخلیقی اظہار کر سکیں۔“(۲)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر اسلم انصاری، اُردو، فارسی، انگریزی اور سرائیکی کے بہت بڑے تخلیق کار اور تحقیق کار ہیں۔ اُن کی کتب میں آفاق گیر تخیل اور وسعت ہے۔ اُن کے کلام کی سادہ بیانی کلام کو کو آسان اور پُر اثر بنا دیتی ہے۔ انہوں نے اپنے تخلیقی اور تحقیقی موضوعات کو اپنے سماج سے لیا ہے۔ جس طرح نظم اور غزل میں اپنا ایک الگ منفرد معیار رکھتے ہیں۔ اسی طرح تحقیق کے میدان میں بھی اُن کا کام سب سے ایک الگ معیار رکھتا ہے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری تحقیقی کام میں خاص طور پر اُردو شاعری اور نثر کے فن پاروں پر گہری تحقیق کی ہے۔ اُن کی تحریروں میں ادب کی جمالیات، اسلوب، موضوعات اور تاریخی پسِ منظر کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور ان کی تحقیقی تحریریں نہ صرف ادبی تحقیقات کے حسن کو اُجاگر کرتی ہیں بلکہ اُن کی پیچیدگیوں کو بھی سامنے لایا ہے۔ انصاری صاحب کی تحقیقی اور تنقیدی مہارت کا اہم پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے تجزیات میں جدید تحقیقی طریقوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اُن کا کام اپنی منفرد تحریروں اور اصل علمی تحریروں کے اصولوں کی پابند ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے جذبہ حُسن اور ذوقِ جمال کی تسکین کے لیے جو تصانیف لکھی ہیں اُن کی خوبصورتی ناقابلِ بیاں ہے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری نے تحقیق اور تنقید کے میدان میں کارہائے نمایاں کام سر انجام دیے ہیں لیکن انہوں نے نثری تحقیق کے ضمن میں اپنے ایم۔فل کے مقالے میں چودھری افضل حق کی کتاب "زندگی" پر جب قلم اُٹھایا تو اس کی تمام جزئیات سمیت اس کے ہر پہلو کو نہایت خوبصورتی سے کھول کر بیان کیا ہے۔ اُن کا اسلوب "زندگی" کے ہر موضوع سے جھلکتا نظر آتا ہے۔ڈاکٹر صاحب کی بات برائے بات نہیں ہوتی بلکہ اُن کے تجزیے اور مشاہدے سے نظر آرہا ہو تا کہ وہ کس انداز سے اُن حقائق کو بیان کر رہے ہیں۔

اس کتاب کے بارے میں جو چودھری افضل حق کی زندگی کا تفصیلی جائزہ پیش کرتی ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے بہت تفصیل کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ جسے ۲۰۰۸ء میں دارلکتاب لاہور سے شائع کیا۔ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کو اپنے کالج کے دور میں پڑھا تھا اس شہرہ، آفاق کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس پر سیر حاصل بحث کرنا چاہتے تھے۔ جو انہوں نے اس تحقیقی مقالہ میں اپنا تاثر پیش کیا۔ اس کتاب کو مصنف نے سات ابواب پر تقسیم کیا ہے۔

بابِ اول: پہلے باب میں چودھری افضل کی زندگی کے سوانحی حالات کہ کس طرح انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان نفسیاتی، جسمانی اور معاشی تکلیفوں کو بیان کیا ہے۔

بابِ دوئم: زندگی تمثیل

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلّہ

بابِ سوم: عالم مثال اور عالم برزخ

بابِ چہارم: زندگی کا فلسفہِ مذہب

بابِ پنجم: زندگی کا فنی اور تکنیکی مطالعہ

بابِ ششم: زندگی کا اسلوبیاتی مطالعہ

بابِ ہفتم: ادبیات کے تناظر میں

اس کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کر کے ڈاکٹر صاحب نے چودھری افضل کی زندگی کو کس طرح وہ اپنی چھوٹی سی عمر میں نفسیاتی اُلجھنوں کا شکار رہے اور یہ کتاب انہوں نے قیدو بند کی صورتوں میں لکھی۔ اس میں انہوں نے بہت ساری سماجی برائیوں پر کہانیاں تحریر کیں۔

وہ ایک پولیس آفیسر ہونے کے باوجود سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتے رہتے تھے جس طرح زمانے کا دستور ہے کہ سیاست اور سرکاری ملازمت ایک ساتھ نہیں چل سکتے تو انھیں اسی ملازمت سے استعفیٰ دینا پڑا اور اس طرح کھل کر سیاست میں آنے سے قیدو بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ انہی دنوں میں آپ نے گورکھ پور جیل میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "زندگی" رکھا۔ اس میں دس کہانیوں کو مکافاتِ عمل کی بنیاد بنایا گیا۔ ڈاکٹر شمائلہ نورین لکھتی ہیں:

> "ان کی پیدائش اور خاندانی پسِ منظر کے روایتی تعارف کے بعد ان بچپن کی یادداشتوں کی روشنی ان کی نفسیاتی الجھنوں کی گرہیں کھولنے کی کوشش اسی صورت سامنے آتی ہے۔
>
> اذیت پسند استاد نے افضل حق کو ابتداء ہی سے دوزخ کے تصور سے آشنا کر دیا تھا۔ وہ استاد بچوں کی ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر کان پکڑواتا اور اسی حالت میں کتاب کھول کر پڑھنے کا حکم دیتا اور اسی حکم پر عمل درآمد کرواتا تھا۔
>
> اس مرحلے کو افضل حق دوزخ سے انحراف میں آنے سے تعبیر کرتے ہیں۔" (۳)
>
> "زندگی" کے مصنف نے اخلاقی مقصدیت کے اعتبار سے نذیر احمد سے اثر قبول کیا۔۔۔
>
> تاہم نثر کے بنیادی آہنگ کے اعتبار سے محمد حسین آزاد اور نیاز فتح پوری سے زیادہ اثر پذیر دکھائی دیتے ہیں۔" (۴)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

چودھری افضل حق کی زندگی کے مختلف زاویوں پر بات کرتے ہوئے مصنف نے ان کی ملازمت سے اُکتاہٹ اور استعفیٰ دینے کے بارے میں ڈاکٹر اسلم انصاری اسی محققانہ سوچ کے تحت چودھری افضل حق کی زندگی کے سارے حقائق سامنے لاتے ہیں۔ اگرچہ ان کی ملازمت سے استعفیٰ کی تاریخ ان کی خودنوشت میں نہیں لکھی گئی لیکن کچھ حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ایسا ۱۹۲۱ء میں کیا تھا۔

> "گرفتاری سے پیشتر وہ اپنے ضلع کے مقامات میں عوامی جلسوں کو خطاب کرتے تھے اور دیہاتوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ۶ فروری ۱۹۲۲ء کو انہیں جیل بھیج دیا گیا۔" (۵)

قارئین کے اظہارِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ "زندگی" چودھری صاحب کی اولین تصنیف تھی کہ انہوں نے اس سے پہلے ادبی یا تصنیفی نقطہ نظر سے کچھ نہیں لکھا تھا۔

ڈاکٹر اسلم انصاری صاحب نے چودھری افضل حق کی زندگی اور سیرت و کردار کے بارے میں اور معلومات اُن ہم عصر مولانا غلام رسول سے لیں۔

> "افرادِ خاندان سے اُن کے تعلقات مثالی تھے۔ اپنی والدہ سے انہیں بے حد محبت اور عقیدت تھی اور ایک سعادت مند بیٹے تھے۔ بچوں کے ساتھ نرمی کا سلوک رکھتے تھے۔"(۶)

ڈاکٹر صاحب اُن کی خودنوشت کو اپنی فکری رائے سے اپنی سیاسی اور اخلاقی افکار کو دو طریقے سے پیش کیا ہے۔ جب وہ جیل میں بند تھے تو وہ تحریک عدم تعاون کے زبردست حامی تھے۔ جن کے نتیجے میں انہیں جیل بھی ہوئی۔ ڈاکٹر اسلم انصاری صاحب خود ایک محتاط زندگی بسر کرنے والی شخصیت رکھتے ہیں اس لیے جب انہوں نے "زندگی" کے مصنف کے بارے میں بات کی ہے تو نہایت مہذب اور مئودبانہ لہجہ اختیار کیا ہے۔

کتاب کے دوسرے باب میں مصنف "زندگی" کو ایک تمثیل کے نام سے بیان کرتے ہیں۔ اس کو چنانچہ اسیری دنوں میں تصنیف کیا گیا تھا تو اس لیے ڈاکٹر اسلم صاحب اس کو حسیبہ ادب میں شمار کرتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی بہت سارے حسیبہ ادب لکھے جا چکے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب نے صرف محمد بن قاسم کے اشعار کو تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری اس باب میں "زندگی" میں موجود کہانیوں کے پلاٹ کے بارے میں اور ان کے کرداروں کے بارے میں بھی تحریر کرتے ہیں۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

کتاب کا تیسرا حصہ: عالم مثال اور عالم برزخ کے عنوان سے تحریر ہے۔ عالم مثال اور عالمِ تمثیل اور عالم برزخ چنانچہ ایک غیر مادی عالم ہیں جن کو صوفی اور فلسفی بیان کرتے ہیں تو "زندگی" کے مصنف لہذا اپنی خوابیدہ عالم مثال کو بعد از مرگ سے تمثیل کرتے ہیں۔ اس طرح جب چودھری افضل حق "زندگی" اس عالمِ برزخ تو اپنی کہانیوں میں موجود کرداروں کو اسی بود باش کرتے ہوئے دکھاتے ہیں اور یہ مذہبی تصورات پیش کرتیں ہیں لہذا عالم برزخ موت کے بعد اور قیامت کے دن سے پہلے کی ایک عبوری حالت ہے جہاں ارواح کو رکھا جاتا ہے اور یہ دنیا اور آخرت کے درمیان کا سفر ہے جیسے زندگی کے مصنف نے اپنے کرداروں کو سونپا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے اپنی محققانہ سوچ کے پیرائے میں اس کتاب کے ہر پہلو کو فنی اور فکری حوالوں سے پرکھا ہے:

> "مصنف "زندگی" نے عالم خواب میں دیکھی جانے والی دنیائے بعد از مرگ کو عالمِ مثال سے تعبیر کیا ہے۔ اصطلاحاً یہ نقطہ افلاطون کی دنیائے مثالی کا ترجمہ ہے۔ جو افلاطون کے نزدیک ایک ساکن اور کامل دنیا ہے۔" (۷)

کتاب کے چوتھے باب زندگی کا فلسفہ مذہب خیر و شر اخلاق اور نظریہ پر ہے۔ چودھری افضل حق نے اپنی کہانیوں کے ہیروز کے تمام کرداروں کے اخلاقی اقداروں کو دکھایا ہے اور پھر اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا مذہبی دوسرا معاشرتی اور تیسرا سیاسی پھر انہی کو خیر و شر کے نظریے کا اساس بنایا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری تحریر کرتے ہیں:

> "ان عناصر سہ گانہ پر مستزاد، مصنف کا اپنا اخلاقی شعور اور ذوق سلیم یا فطرتِ مسلم ہے جو انسانی زندگی میں شر کی کار فرمائی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور ایک ایسی صورتِ حال پیدا کرنا چاہتی ہے جس میں فرد اور معاشرہ دونوں کی فلاح کا حصول ممکن ہو۔" (۸)

باب پنجم میں ڈاکٹر اسلم انصاری اس کتاب "زندگی" کے فنی اور تکنیکی مطالعہ پر بحث کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سب کرداروں کو ہندوستانی طریقے اور رسوم و رواج کے پسِ منظر کو اپنایا ہے۔

> "کتاب کا ایک تہائی حصہ یعنی ہیرو کی طبعی زندگی کی کہانی اور عالمِ مثال میں دارلمعائنہ کی روداد بہت حد تک مرصع کاری کا نمونہ پیش کرتی ہے۔" (۹)

باب ششم میں زندگی کے اسلوبیاتی مطالعہ پر بحث کرتے ہو ڈاکٹر اسلم انصاری کہتے ہیں کہ اسلوب کے بارے میں کیا کہا گیا ہے کہ:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

"یہ انسانیت کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے بلکہ ایک نقاد نے تو یہاں تک کہ دیا ہے کہ اسلوب ہی لکھنے والے کی شخصیت ہے۔" (۱۰)

مصنف کی "زندگی" کے بارے میں ڈاکٹر اسلم انصاری کہتے ہیں:

"یقیناً عنفوانِ شباب میں وہ ضرور ابوالاکلام کی آزادانہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہوں گے یا پھر ضرور بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں ان کے سیاسی ہمسفر رہے ہوں گے۔" (۱۱)

ڈاکٹر صاحب نے زندگی کا جس طرح یہ تجزیہ پیش کیا ہے کہ نثری وضع کو تین بنیادی آہنگ میں بیان کیا ہے۔

۱۔ عبارت میں ترکیب سازی اور تشبیہ اور استعارہ کا استعمال

۲۔ سادہ تر واقعاتی محاکات میں صحافیانہ رپورٹنگ کا انداز

۳۔ خطیبانہ آہنگ جو کہیں کہیں تین لہجے ابتدائی یا ترغیبی اسالیب

ڈاکٹر صاحب کے زندگی کے اسلوب کو تفصیل کے ساتھ اپنی ایک کتاب فکر و انتقاد میں پیش کیا ہے وہ نثر وضع کا شعری آہنگ کو نہایت ہی امثال کی صورت میں پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

صوتی آہنگ:

"نہ میں کھانا کھاؤں گا نہ میں گھر سے جاؤں گا۔ یا تو وہ ناز برادریاں یا یہ تغافل شعاریاں۔" (۱۲)

کتاب کے آخری باب میں ادبیات عالم کے تناظر میں ڈاکٹر صاحب دنیا کے تمام ادبی شاہکاروں کی فہرست میں "زندگی" کو سب سے پہلے رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کتابِ زندگی کو کلاسک کا درجہ تو نہیں دیتے البتہ اس کو جاوید نامہ اور ڈیوائن کامیڈی کے ساتھ رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم انصاری نے پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بعنوان اردو شاعری المیہ تصورات لکھا۔ اس میں وہ بطور محقق ابھر کر سامنے آئے ان کی تحقیق کی نمایاں خصوصیات ربط، شگفتگی، معنویت اور شائستگی پائی جاتی ہے۔ ان کا یہ مقالہ چودہ نکات پر مشتمل ہے۔ یہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں رجسٹر کیا گیا۔ اس میں میر تقی میر سے لے کر فانی بدایونی تک تمام بڑے شعرا کے کلام میں الم و یاس اور حزن پر مبنی مضامین کا ذکر کیا گیا۔ کتاب کے انتساب کو ڈاکٹر اسلم انصاری نے اپنے اساتذہ ڈاکٹر سد عبداللہ، پروفیسر سید وقار عظیم و دیگر کے نام کیا ہے اس میں خود ڈاکٹر

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

اسلم انصاری کا تحریر کردہ پیش لفظ بھی شامل ہے جو اس مقالے کو تحریر کرنے کی اغراض پر روشنی ڈالتا ہے اور اس کے سیاق وسباق کا بھی باخوبی احاطہ کرتا ہے۔ وہ اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

اس مطالعے میں میر سے فانی تک تمام اہم اور نامور شعرا کو شامل کیا گیا ہے۔ حقیقت میں میر سے لے کر فانی تک کا زمانہ دراصل ۱۷۲۲ء سے لے کر ۱۹۴۱ء تک کا ہے۔ یہ اردو شاعری کے ایک طویل دور کا احاطہ کرتا ہے اس لئے کوئی بھی فکری یا فنی مطالعہ جو اتنے بڑے عرصے پر محیط ہو مکمل اور جامع ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اردو شاعری کی ایک اہم فکری اور جذباتی روش کے فکری وفنی تجزیے سے عبارت ہے۔

پیش لفظ کے بعد علامہ اقبال کی ایک نظم اس مقالے کا حصہ ہے۔ نظم کا عنوان فلسفہ غم ہے۔ کتاب کا یہ پہلا باب "شعر وادب میں المیہ تصورات کی معنویت" کے موضوع پر مبنی ہے۔ اس میں مصنف نے عالمی ادب غم والم کی پیشکش پر مختصر اًانداز میں روشنی ڈالی ہے اس ضمن میں مغربی فکر وادب میں المیہ تصورات مشرقی شاعری میں قصیدہ اور غزل میں الم پسندی کی روایات، عربی ادب میں قصیدہ گوئی اور ایرانی ادب میں ہزنیہ موضوعات کا جائزہ لیا اسی باب میں انہوں نے اردو شاعری میں صوفیانہ موضوعات کے تحت دنیا کی بے مثالی کو بھی بیان کیا صرف اتنا ہی نہیں وہ برصغیر کی شاعری میں جہاں کے سماجی تاریخی عوامل کے نتیجے میں سامنے آنے والے حزن ویاس کو بھی المیہ شاعری کی روایت کا ماخذ سمجھتے ہیں۔ اس مقالے کا باب اول برصغیر کے اردو شعراء کی المیہ شاعری کی عکاسی کرتا ہے۔

اردو شاعری میں المیہ تصورات کا دوسرا باب "میر تقی میر اردو کا عظیم ترین الم نگار شاعر" کے عنوان پر مشتمل ہے۔ میر تقی میر کو اردو شاعری میں الم پسندی اور اذیت پسندی کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری بھی میر کو موضوعات اور اسلوب کے اعتبار سے اردو کا بڑا الم نگار شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ کسی بھی شاعر یا ادیب کے تحریری موضوعات کو سمجھنے اور ان کا نفسیاتی تناظر جانچنے کے لیے شاعر اور ادیب کی ذاتی زندگی میں جھانکنے کا طریقہ کار ادبی تحقیق کا بہت پرانا اور کارآمد طریقہ ہے۔ اس لیے ڈاکٹر اسلم انصاری تمام شعراء کی حالات زندگی پر نظر ڈالتے ہیں اور مختصر سوانحی خاکہ بھی پیش کرتے ہیں۔

اس میں انہوں نے میر کی جس تاریخیت کا بھی مطالعہ کیا وہ جس عہد میں سانس لے رہے تھے اُس عہد کی ساری سچائیوں کو اپنی لکھائی میں دکھایا اس لئے ان کی شاعری اس عہد کی مٹتی ہوئی تہذیب، زوال پذیر معاشرے اور بدلتی ہوئی قدروں کے نقوش پر پوری طرح نمایاں دکھائی دی۔ ذاتی زندگی کے المناک تجربوں اور مشاہدات نے جو

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلہ

میر کے لئے ذاتی واردات سے کم نہ تھے میر کو دائمی طور پر ایسی کیفیت عطا کر گئے جس سے ان کی اپنی اصلاح "درد مندی" کے علاوہ کسی اور لفظ سے نہیں بیان کیا جاسکتا۔ ان کی ذاتی نفسی کیفیت بھی ایسی ہی ہے جو انہیں ہر وقت مائل بہ گریہ رکھتی ہے۔ میر نے اپنی تمام تر تخلیقی توانائی غم عشق اور اس کی حالتوں کی تصویر گری میں صرف کر دی۔ وہ اپنی ہستی اور زندگی کو سراپا غم تصور کرتے ہیں۔ میر نے اپنی شاعری میں جو غم والم پیش کیا ان کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہیں کہ میر کا اصل آرٹ الم نگاری ہے یعنی جو غزل کے پیرائے میں غم عشق اور غم حیات کی ایسی نقش گری میر نے کی ہے اردو شاعری میں اس کی مثال شاذونادر ہی نظر آئے گی۔ میر ماضی کے بارے میں بھی بے حد حساس ہیں ان کے ہاں عام قسم کی یاد ماضی نہیں پائی جاتی بلکہ وہ گزرے ہوئے وقت کے بارے میں ایک گہری دردمندی کا احساس رکھتے ہیں۔ رفتگاں کی یاد ان کے لئے ایک گہرے احساسِ الم کا باعث ہے میر کی الم پسندی کا سب سے مثبت اور تعمیری رخ ان کی المیہ طرز احساس عصری شعور کے ساتھ گہری وابستگی رکھنا ہے۔ ان کے ہاں غم والم کا ایک عمومی احساس ہر قدم پر ملتا ہے اگرچہ انہوں نے دنیا میں نشاط اور غم دونوں کی موجودگی کو تسلیم کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ غم کی فراوانی کو بھی شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔

میر کی الم پسندی کا سب سے مثبت اور تعمیری رخ یہ ہے ان کی المیہ طرز احساس عصری شعور کے ساتھ گہری وابستگی رکھتا ہے۔ اپنے عہد کے شکست وریخت اور اپنے عہد کے انسانوں کے الم ناک انجام نے میر کے احساس اور وجدان کو ہمیشہ کے لئے متاثر کیا حقیقت میں وہ اپنے عہد کے انسانوں سے محبت کرنے والے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے دل اور دلی شہر کی بربادی کا غم یکساں ہے۔ دہلی کی بربادی کا احساس ان کی شاعری میں نمایاں ہے۔ میر کا احساس اجتماعیت بہت واضح ہے۔ فکر معاش اور غم روزگار جو اس دور کا بڑا مسئلہ تھا اس فکر کو بھی میر نے اپنے کلام میں دکھایا۔ زیرِ نظر مقالے کا باب سوئم "مرزا محمد رفیع سودا" کے موضوع پر ہے۔ مرزا رفیع سودا کے ہاں المیہ موضوعات کی اساس غم حیات اور غم روزگار ہیں۔ سودا کو اپنے زمانے میں اردو کا عظیم ترین شاعر تسلیم کیا جاتا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ شعرا کی اہمیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان کے حالات زندگی پر تبصرہ کرنے کے بعد ڈاکٹر اسلم انصاری نے ان کی زندگی اور شاعری میں المیہ موضوعات پر تبصرہ کیا۔

اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "بیروزگاری اور ملازمت کے کچھ ایام کو چھوڑتے ہوئے ان کی باقی ساری زندگی آسودگی کے ساتھ گزری اس لیے بظاہر ان سے کسی قسم کی غم پسندی کی توقع کرنا بے کار ہے لیکن

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس کے باوجود ان کا کلام غم والم یا حزن وملال اور ان سے ملتے جلتے جذبات وکیفیات سے عاری قرار دینا بھی غلط ہو گا۔"(۱۳)

میر اور سودا ایک ہی دور کے الم ناک حادثات کے عینی شاہد رہے لیکن میر کے برعکس سودا کی طبیعت میں ایک قسم کا توازن دکھائی دیتا ہے۔ وہ غصیلی طبیعت کے بہت مالک تھے اس لئے ان کی "ہجو" نے کافی مقبولیت کے جھنڈے گاڑے لیکن بقول اسلم انصاری وہ کسی نوع کی مریضانہ خود پسندی یا خود مرکزیت کا شکار نہیں تھے۔ وہ سودا کے درد اور الم نگاری کو چھ سطوحات میں تقسیم کرتے ہیں۔ نظری اعتبار سے سودا کے تصور غم میں چنداں وسعت موجود نہیں تاہم ان کے ہاں کچھ عمومی تاثرات ضرور ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غم کو زندگی اور کائنات کا ایک اہم اور بنیادی عنصر ضرور سمجھتے ہیں۔ ان کے تصور الم کی اساس زندگی اور کائنات کے کافی ہونے کے احساس پر ہے۔

سودا میر سے مختلف ہیں کیوں کہ وہ خوشی کے عنصر کو بھی دنیا میں ضرور مانتے ہیں چاہے وہ عارضی اور ناپائیدار خوشی کیوں نہ ہو لیکن دنیائے نشاط والم کی انتہائی صورتیں بعض اوقات انہیں پریشان کر دیتی ہیں۔ سودا انظری طور پر ہی سہی غم کی قدر وقیمت کے قائل نظر آتے ہیں۔ بظاہر غم کی حسِ گہرائی کو وہ اپنی ذات میں نہیں پاسکے اسے خارجی دکھانے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی ذات کے حوالے کے بغیر وہ المیہ صورت حال کی محاکات نگاری میں کمالِ فن کا ثبوت دیتے ہیں۔ محاکات نگاری کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں ایسے اشعار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جن میں ان کی ذات بیان کردہ واقعات یا منظر کا حصہ دکھائی دیتی ہے۔ وہ واضح طور پر بیرونی منظر کے ساتھ جذبے اور احساس کا رشتہ استوار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ سودا نے اپنی ذات کو یوں بھی دیکھا کہ ان کی ذات اور غم میں مساوات پیدا ہو گئی ہے۔ سودا کے متعلق باب کا اختتام وہ الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔

"مجموعی طور پر سودا ایک ایسے شاعر ہیں جن کے ہاں غم والم کے بارے میں ایک پختہ اور سوچا ہوا رویہ ملتا ہے اگرچہ غزل میں زیادہ تر غم کی اساس شکست آرزو ہے۔ تاہم غزل ہی میں ان کے ہاں پرانی زندگی کے الم انگیز واقعات کا پرتو بھی ملتا ہے جو ان کی امیجری کو خون ۔۔۔سے رنگین کرتا ہے۔ ان کے عہد کی سیاسی اور اقتصادی بدحالی کے ساتھ ساتھ انسانی اقدار کی پامالی کا غم پورے تاریخی شعور کے ساتھ ابھرتا ہے جو اُن کے جذبے کو توانائی بھی عطا کرتا ہے اور غم کو ایک حیات بخش عنصر میں تبدیل کرنے کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔"(۱۴)

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

اس مقالے کا چوتھا باب "خواجہ میر درد اور وجودیانی اور مابعد الطبیعاتی غم" ہے۔ اسلم انصاری خواجہ درد کے حالات زندگی کا خاکہ پیش کرنے کے بعد ان کی شاعری میں سوزوالم کی وجوہات پر ایسے روشنی ڈالتے ہیں۔

"رقت قلب ان کے ہاں ابتداء سے ہی موجود تھی۔ وہ اپنے والد کے زیر تربیت رہتے ہوئے بچپن میں اعتکاف کرنے چلے کھچے اور راتوں کو جاگتے اور رات بھر گریہ زاری کرتے رہتے۔ یہ ان کی نفسی زندگی کا خاصہ بن گیا۔ بعد ازاں ان کی شاعری کے اہم ترین فکری اور جدلی عنصر کے طور پر نمودار ہوا۔"(۱۵)

اسلم انصاری ان کی درج ذیل کتب کا حوالہ دیتے ہیں:

۱۔ نالۂ درد (اتمام ۱۱۹۰ھ) ۲۔ آہ سرد (اتمام ۱۱۹۳ھ)

۳۔ دردِ دل (اتمام ۱۱۹۵ھ) ۴۔ واقعات درد (س۔ن)

۵۔ سوزِ دل (س۔ن)

میر درد کے ہاں سوزو گداز کی بنیادی وجہ تصوف ہے۔ صوفیا کے ہاں خدا سے دوری اور غم روزگار پر گریہ زاری کی روش پرانی رہی۔ ڈاکٹر اسلم انصاری بھی اس کی اس چلن پر روشنی ڈالتے ہیں اور اپنی بات کی تائید کے لئے دیگر ناقدین غزل کو بھی نقل کرتے ہیں۔ اس ساری بحث کو ان الفاظ میں سمیٹتے ہیں:

"درد کی روحانی واردات یا تجربے کو اگر کوئی لفظ یا عمل بیان کر سکتا ہے تو وہ ہے "آہ" درد کی شاعری میں یہ کلمہ اس کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ ان کی وہ تمام غزلیں جو ان کے فکروفن اور شخصیت کو نمایاں کرتی ہیں عام طور پر لفظ "آہ" سے خالی نہیں ہیں غرض ان کی اکثر غزلوں میں ان کا مابعد الطبیعاتی رنگ نمایاں ہے۔"(۱۶)

ڈاکٹر اسلم انصاری کے مطابق درد کے ہاں دقتِ قلب ابتداء سے ہی موجود تھی۔ تصوف ان کا خاصہ تھا۔ ان کی تصنیف "نالۂ درد" جس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہوا ہے اس میں زیادہ تر تصوف اور سلوک کے نکات ہیں۔ اردو شاعری کی تاریخ میں عام طور پر درد کا وصفِ خاص ان کی متصوفانہ شاعری کو قرار دیا گیا ہے۔ بقول آزاد:

"تصوف جیسا انہوں نے کہا اردو میں آج تک کسی سے نہیں ہوا۔ بعض نقاد خیال کرتے تھے خواجہ میر درد صوفی تھے، صوفی شاعر نہیں جس سے مراد یہ تھا کہ وہ صوفی بزرگ تھے لیکن ان کی شاعری میں عملی تصوف ان معنوں میں نہیں تھا مثلاً رومی، سائی، عطار اور سحابی کی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

شاعری جس قدر صوفیانہ تھی۔خواجہ میر درد ایک الم پسند انسان اور شاعر ہیں ان کی شاعری کا غالب رنگ المیہ ہی ہے غم ان کے ہاں ایک طرز احساس بھی ہے اور ایک طرح سے طرز فکر بھی ان کے ہاں غم کے احساسات یا جذبات کا تعلق تین چیزوں سے وابستہ ہے یعنی ۱۔زندگی،۲۔دنیا،۳۔عشق حقیقی۔"(۱۷)

درد کے ہاں غم زمانہ اور غم دنیا کے موضوع کے بارے میں اشعار کی ایک قابل توجہ تعداد موجود ہے۔ بعض ناقدین کے مطابق سودا عملی صوفی نہیں تھے متصوفانہ موضوعات مثلاً وحدت الوجود، محبوب حقیقی کے حسن وجمال کی ہمہ گیر تاثیر وغیرہ کو کامیابی کے ساتھ بیان کرتے ہیں لیکن اس سلسلے میں خواجہ میر درد نے خاص امتیاز حاصل کیا۔ڈاکٹر یوسف حسین خان کے الفاظ میں:

"اردو غزل میں میر درد کا کلام عشق حقیقی کے رنگ میں رنگا ہوا ہے لیکن وہ تغزل اور شعریت کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ان کے کلام میں ایک خاص رنگ اور انفرادیت پائی جاتی ہے، جو ان کی قلبی کیفیتوں اور اخلاص کی آئینہ دار ہے۔ ان کے کلام میں تصوف تغزل کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ نظر آتا ہے۔"(۱۸)

خواجہ میر درد کے بعد باب پنجم میں ڈاکٹر اسلم انصاری قائم چاندپوری کی "حزنیہ تشکیلات" اور میر اثر کی "فراقیہ شاعری" کے عنوان کے تحت دونوں شعراء کے مضامین شاعری پر بحث کرتے ہیں۔ قائم چاندپوری میر کے مقلدین میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن میرؔ، دردؔ اور سوداؔ کے معاصر ہونے کی وجہ سے وہ مقام نہ پا سکے جس کے وہ اہل تھے۔ قائم کی خوبی یہ تھی کہ ان میں میر اور سودا دونوں کے رنگ کی آمیزش تھی۔ وہ زندگی کے تجربوں کی شعری تشکیل آسانی کے ساتھ کرسکتے تھے لیکن دروں بینی کی وجہ سے کم مائل تھے۔ اس لئے اسلم انصاری انہیں دہلی اور لکھنؤ کے درمیان خط اتصال قرار دیتے ہیں۔وہ قائم پوری کے کلام میں حزنیہ عنصر کی اساس ناقدری اور زمانے کی ناانصافیوں کو ٹھہراتے ہیں۔ ان الفاظ میں وہ گویا ہوئے ہیں:

"شاعری کے المیہ پہلوؤں کے اعتبار سے قائم کے ہاں یاس اور ناامیدی کی مجموعی کیفیت ملتی ہے۔اس یاس و قنوط کا سبب ایک طرف زمانے کی ناقدر شناسیاں اور ناانصافیاں ہیں اپنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ناقدری کا احساس بھی قائم کی شاعری کے المیہ عناصر میں دکھائی دیتا ہے۔"(۱۹)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

اس باب میں مصنف نے میر اثرؔ جو خواجہ میر کے بھائی تھے ان کے جان نشین اور مرید بھی ان کی مثنوی خواب وخیال میں المیہ عناصر کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔اس مثنوی کو اردو ادب میں بہت حوالوں سے خاص اہمیت حاصل ہے جس میں سب سے نمایاں خوبی ناقدین کے نزدیک ہجر وفراق کا بیاں ہے۔ مجموعی طور پر میر اثر کے ہاں میر درد کے جیسا سوز وگداز مقصود ہے اور عشقیہ مضامین پر مبنی مثنوی جو کہانی سے زیادہ سوانح معلوم ہوتی ہے ان کے بارے میں ڈاکٹر اسلم انصاری کا خیال ہے۔"خواب وخیال ایک ٹوٹے ہوئے رشتۂ محبت سے پیدا ہونے والا بحران ہے جس کی بلند پایہ مثالیں مولانا روم کی غزلیات (دیوان شمس تبریز) میں ملتی ہیں اگر میر اثر نے اس محبت کی نوعیت کو تبدیل نہ کیا ہوتا تو فنی اعتبار سے اس کی شدت وتاثیر میں اضافہ ہوتا۔"

اس مقالے کا باب ششم بعنوان "دبستانِ لکھنؤ اور الم پسندی کی شعری روایت"ہے۔اس میں مصحفی، جرأت، ناسخ اور آتش کو بیان کیا گیا۔ڈاکٹر اسلم انصاری مصحفی کے ہاں کسی بڑے المیاتی تجربے کی عدم موجودگی کے باوجود بیانیہ غم میں صناعی اور ہنر مندی کے معترف ہیں۔ مصحفی کے ہاں خارجیت اور داخلیت کا جو امتزاج ملتا ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ سودا کی طرح غم کو مجسم کر کے دیکھیں۔

یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "یہ حقیقت ہے کہ مصحفی کے ہاں غم ذات اور غم حیات کے کئی حقیقی سطح استعارے کے پردے میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ استعارہ ہے واقعی مرغِ اسیر اور اس کے پس منظر سے ابھرنے والے لوازمات مثلاً باغ، پہاڑ، چمن، شاخ چمن،شاخ آشیاں، قفس، میاد اور صبا وغیرہ کا مرکب ہے۔"(۲۰)

مصحفی کے بعد دبستانِ لکھنؤ میں قابل شعراء میں شیخ قلندر بخش جرأت کا نام لیا جاتا ہے۔وہ خالصتاً لکھنؤ کی خارجیت کے علمبردار ہیں۔ان کی شہرت، معاملہ بندی،عاشق ومعشوق کے درمیان بیان کی وجہ سے ہوئی ڈاکٹر اسلم انصاری ان کے متعلق رقمطراز ہیں:

> "جرأت کی شاعری میں معاملہ بندی کا عنصر نمایاں ہے محبت ان کے ہاں صریحاً جنسی جذبے کی تسکین کی خواہش کے مترادف ہے۔"(۲۱)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

جرأت اسلوب کے اعتبار سے میر کی طرح سادگی، صفائی اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ بات ہے کہ میر جو کچھ کہتے ہیں اس پر زمانے کی مہر لگی ہوتی تھی اس کے برعکس جرأت کی یاسیت کلی طور پر ذاتی اور شخصی ہے۔

جرأت کی شاعری کے حزنیہ عناصر کو مزید اُجاگر کرتے ہوئے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی یوں رقمطراز ہیں:

"یہ معاملہ بندی کے مضامین جرأت کے کلام میں بکثرت پائے جاتے ہیں لیکن ایسے اشعار بھی ہیں جن میں میر اور درد کے کلام کی دردناک آہیں بھی سنائی دیتی ہیں۔اس میں تہذیب کا مرثیہ اور سیاسی انقلاب پر نوحہ ملتا ہے۔"(۲۲)

اس طرح کے موضوعات کی موجودگی میں المیہ عناصر پر نگاہ کرنا ہر ادب کے قاری کا وتیرہ نہیں اس لئے ناقدین نے بھی ان کے جنسی معاملات پر نظر کرنے کے بیان کو کڑی نگاہ سے بیان کیا لیکن خود مصحفیؔ نے جب جرأت کے کلام میں یاسیت کا ذکر کیا تو اسلم انصاری کے لیے یہ رائے قائم کرنا نسبتاً آسان ہو گیا کہ:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جن استعاروں کو مصحفیؔ نے کامیابی کے ساتھ استعمال کر کے اپنی شاعری میں حزنیہ عنصر کا اضافہ کیا جرأت نے کم و بیش انہیں استعاروں کے ذریعے زندگی کی محرومیوں کا ایسا موثر نقشہ کھینچا کہ جرأت جیسے معاملہ بند شاعر سے اس کی توقع کم ہی کی جاسکتی تھی۔ جرأت کی شاعری اس کے المیہ عنصر کی طرف سب سے پہلے تو مصحفیؔ نے توجہ کی۔"(۲۳)

دبستانِ لکھنؤ میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے ناسخ کے ہاں بھی حزنیہ عنصر کو نظرانداز نہیں کیا اور ان کے متعلق زندگی کے پس منظر کے بارے میں بھی یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ ان کے ہاں المیہ مضامین کا بیان صرف اور صرف مضمون آفرینی اور شاعرانہ صناعی کی غرض سے ہے ناسخ کے بعد مصنف نے خواجہ حیدر علی آتش کے کلام میں حزنیہ مضامین کی بابت یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان کے ہاں بھی ذاتی غم کی کارگزاری واضح نہیں دکھائی دیتی۔ ناسخ کے ہاں بھی متقدمین کی طرح دنیا اور زندگی کے بے ثباتی کے مضمون موجود ہیں انہیں مضامین میں کہیں کہیں وہ زندگی میں المیہ عنصر کی کثرت کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

ناسخ کے بعد خواجہ حیدر علی آتش کا تذکرہ بھی کیا اس کے بارے میں ڈاکٹر اسلم انصاری کہتے ہیں کہ ان کی زندگی نہایت سادہ تھی جس میں تکلف اور تصنع کا بالکل دخل نہیں تھا۔ انہوں نے ساری زندگی قناعت اور سادگی کے ساتھ بسر کی ان کے مزاج میں وضع داری اور خودداری تھی۔ آتش کا کلام بھی ایک طرح کی صناعی ہی ہے اگرچہ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

بعض نقادوں کے خیال میں اگر میر و غالب کے بعد کسی کا مرتبہ ہے تو وہ آتش ہے۔ وہ اپنے کلام میں جذبات کو نہایت مؤثر اور دلکش انداز میں ادا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی ان کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ:

"ان کے کلام پر لکھنؤ کی عام فضا کا رنگ چڑھا ہوا ہے لیکن خس و خاک میں جا بجا چنگاریاں دبی ہوئی ملتی ہیں جو ان کے اصلی اور فطری رجحان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔"(۲۴)

اس کے ساتویں باب میں اسلم انصاری اردو ادب کی تین بہت اہم مثنویوں میں حزن و یاس کے مضامین تلاش کرتے ہیں۔ باب کا عنوان یوں ہے "دبستانِ لکھنؤ کی مثنویوں میں الم نگاری کے چند اسلوب"۔ اس میں سحر البیان، گلزار نسیم اور زہرِ عشق کے خصوصی حوالے دیے گئے ہیں۔ مثنوی کی صنف شاعری کی دنیا میں بہت وسیع ہے جذباتِ انسانی، مناظر قدرت، واقعہ نگاری، تخیل ان تمام چیزوں کو بیان کرنے کے لئے نہایت موزوں ہے اس میں کوئی تاریخی واقعے یا قصے بھی بیان کیے جاسکتے ہیں۔ بقول مولانا حالی:

"مثنوی اصناف سخن میں سب سے زیادہ مفید اور بکار آمد صنف ہے۔"(۲۵)

اردو شاعری کے دکنی ادوار میں سب سے زیادہ مشہور صنف مثنوی ہی تھی۔ مثنویوں میں واقعات نگاری کے علاوہ جذبات نگاری کا عنصر بھی موجود تھا۔ ان جذبات میں جذبات الم بھی شامل تھے۔ مثنوی کی صنف کو المیہ واقعات و جذبات میں سب سے پہلے میر تقی میر نے استعمال کیا۔ ان کی اکثر مثنویاں المیہ موضوعات کی آئینہ دار ہیں اس اعتبار سے میر کو اردو کے مثنوی نگاروں میں پہلا کامیاب الم نگار شاعر قرار دیا جاتا ہے۔ خواجہ میر درد کے بھائی میر اثر کی مثنوی "خواب و خیال" جذبات نگاری کے اعتبار سے قابل ذکر رہی ہے۔ میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" بھی بہت مشہور ہے المیہ جذبات کے اظہار کے لئے میر تقی میر کی مثنویاں بہت مشہور ہوئیں۔ لیکن وظیفوں کی طرح حفظ کیے جانے اور ارباب نشاط کی نغمہ سرائی کا حصہ بن کر لوگوں کو "لٹانے اور رلانے" کا امتیاز سحر البیان کو ہی حاصل ہے۔ سحر البیان کی کہانی بہت مشہور ہے اس میں چار مشہور المیہ منظر ہیں۔ اس مثنوی میں غیر فطری عناصر کی موجودگی کے باوجود سب کچھ فطری اور انسانی لگتا ہے۔ دوسری مثنوی جو قابلِ ذکر ہے وہ مثنوی گلزار نسیم ہے۔ عام طور پر "سحر البیان" کو دہلوی جبکہ "گلزار نسیم" کو لکھنوی مزاج کی نمائندہ مثنوی سمجھا جاتا ہے۔ مولانا آزاد "گلزار نسیم" کی ساختگی اور صناعی کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"پنڈت دیا شنکر نسیم نے گلزار نسیم لکھی اور بہت ہی خوب لکھی۔ اس کا رستہ سحر البیان سے بالکل الگ ہے کیونکہ پنڈت نے خوبصورت تشبیہ اور استعاروں سے کام لیا ہے۔" (۲۶)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

بعد میں آنے والے ناقدین نے "سحر البیان" اور "گلزار نسیم" کو اسی طرح علمی ترتیب دہلوی اور لکھنوی مزاج اور اسلوب کا آئینہ دار قرار دے دیا۔ اردو کی جس مثنوی کو حقیقت نگاری کے اعتبار سے درجۂ اول قرار دیا جاتا ہے وہ ہے نواب مرزا شوق لکھنوی کی المیہ مثنوی "زہر عشق" مولانا حالی نے مقدمۂ شعر و شاعری میں نواب مرزا شوق کی مثنویوں کو زبان و بیان کے اعتبار سے اپنے عہد کی تمام مثنویوں سے بہتر قرار دیتے ہیں۔ اس کے بارے مولانا حالی یوں لکھتے ہیں:

"نواب مرزا شوق لکھنوی نے جو چار مثنویاں یعنی بہار عشق، لذت عشق اور فریب عشق لکھی ہیں، اگرچہ ان کو روزمرہ محاورہ کی صفائی، قافیوں کی نشست، ترکیبوں کی چستی اور مصرعوں کی برجستگی کے لحاظ سے اردو کی تمام مثنویوں سے بہتر سمجھتا ہوں۔"(۲۷)

زبان و بیان کے اعتبار سے حالی نے شوق کو میر حسن پر ترجیح دی ہے۔ اگر مولانا حالی کو مرزا شوق کی مثنویوں پر غیر اخلاقی اور خلاف تہذیب ہونے کا اعتراض نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ وہ مجموعی طور پر بھی مرزا شوق کی مثنویوں کو ہی بہتر سمجھتے ہیں مرزا شوق کی تینوں مثنویوں کے ہیرو وہ خود ہیں۔ اردو کے ہر چھوٹے بڑے شاعر نے دنیا اور زندگی کی بے ثباتی کے مضمون کو کئی طرح بیان کیا ہے لیکن تاثیر اور دل گدازی کے اعتبار سے سحر عشق اپنی مثال آپ ہے۔

بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

"حقیقت یہ ہے کہ زہر عشق کی اثر انگیزی کا راز جذبات کی سچی تصویر کشی اور کامیاب سیرت نگاری میں پوشیدہ ہے۔"(۲۸)

اردو کی مثنویوں میں حزنیہ عنصر شروع سے ہی موجود رہا ہے کسی میں کم کسی میں زیادہ، یہ عنصر ہمیشہ کہانی کے تانے بانے کا حصہ رہا ہے۔ اردو کے مثنوی نگاروں نے عموماً رنج و غم کو زندگی کے ایک ناگزیر عنصر کے طور پر دیکھا ہے لیکن اسے پوری زندگی پر محیط نہیں کیا۔ مومن کی مثنویوں کا الم زیادہ طور پر محبوباؤں سے جدائی کا الم ہے۔

آٹھویں باب میں نظیر اکبر آبادی نشاط پسند الم نگار شاعر اور غم حیات اور غم روزگار کے وسیع تر شعور کو بیان کیا گیا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کو عوامی شاعر کہا جاتا ہے اس کی وجہ ان کے وہ موضوعات ہیں جنہیں ان کے دور میں تو پذیرائی نہ ملی لیکن آنے والے معاملات و حالات میں انہیں واحد شاعر تسلیم کیا جانے لگا جس کے ہاں لوگوں کے مسائل خوشیوں اور غموں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری انہیں باقاعدہ المیہ شاعر ماننے کے حق میں نہیں ہیں

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

لیکن زندگی کے تمام تر پہلوؤں کو ساتھ دیکھنے اور برتنے کے باعث ان کے ہاں زندگی کے المیہ پہلوؤں کا ملنا ناگزیر ہے۔ اس بنیاد پر ڈاکٹر اسلم انصاری نظیر اکبر آبادی کو اردو کے تمام الم نگاروں میں اعلیٰ مقام دیتے ہیں۔ وہ یوں لکھتے ہیں:

> "زندگی کے المیہ پہلوؤں کی مصوری وہ بڑے الم نگاروں کی طرح کرتے ہیں بلکہ شاید بہتوں سے آگے ہیں۔ انہوں نے زندگی کو خارجی واقفیت کے اعتبار سے دیکھا اس اعتبار سے ان کو دوسرے الم نگاروں سے نمایاں مقام حاصل ہے کہ ان کے ہاں رنج و غم جتنا کچھ اور جیسا بھی ہے زندگی کے حقیقی تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہے۔"(۲۹)

اردو شاعری میں المیہ تصور کی بات کی جائے اور مرثیہ کو نظر انداز کر دیا جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری بھی میر انیس کو مرثیہ نگاری کے موضوعات پر لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ اسلم انصاری کے مطابق:

> "چہرہ، ماجرا، سراپا، آمد، رجز، جنگ کے بیان نے مرثیے کو فنی وسعت عطا کی اور خلوص المیہ اجزاء کے لئے فنی، نفسیاتی اور ماحولیاتی تناظر بھی پیش کیا گیا لیکن اس سے خاص المیہ اجزاء کی اہمیت میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اصول موازنہ کی روسے ان کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ میر انیس نے بالخصوص تین اجزاء رخصت، شہادت اور بین کو حیرت انگیز فنی شعور کے ساتھ برتا۔ اس باب میں انہوں نے میر انیسؔ کے علاوہ مرزا دبیر کا ذکر بھی کیا اور ان کے موضوعات کو بھی مرثیہ نگاری کے زیر اثر حزن و غم ناک فضا پر مشتمل ٹھہرایا۔"(۳۰)

اس مقالے کا باب نہم اسی عنوان سے متعلق ہے جس کا اصل میں نام "اردو مرثیہ اور میر انیس کی الم نگاری" ہے۔ مرثیہ لغوی معنوں میں دنیا کے قدیم ترین ادب میں پایا جاتا ہے۔ عربی زبان میں دور جاہلیت سے مرثیہ موجود ہے۔ اسلامی دور میں آپؐ کا دنیا سے رخصت ہو جانا سب سے بڑا المیہ تھا لہٰذا اس پر بھی مرثیے کہے گئے اردو شاعری کی بیشتر اصناف کی طرح مرثیے کا آغاز بھی دکن میں ہوا اس کے بعد مختلف اوقات میں مختلف ادوار میں کئی مرثیے لکھے گئے جو حالات وواقعات کی خوب عکاسی کرتے ہیں۔

واقعہ کربلا اس حوالے سے اہم ترین ہے۔ مرثیے کے لئے سب سے پہلے مسدس کی ہیئت بقول شبلی سودا نے اختیار کی۔ لیکن جن مرثیہ گوؤں نے اس ہیئت کی تشکیل کی اور ان فنی لوازمات کا تعین کیا جن کی بنیاد پر انیس ودبیر نے اپنے فن کی عمارتیں کھڑی کیں وہ میر خلیق اور میر ضمیر تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اصطلاحی مرثیہ جو

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

لکھنوی تہذیب کی جان اور دبستان لکھنؤ کی پہچان قرار پایا اپنی ابتدائی تشکیل کے لئے میر ضمیر و میر خلیق اور انتہائی تکمیل کے لئے میر انیس و مرزا دبیر کا مرہون منت ہے۔ مرثیے کے مقاصد میں یہ بات اہم ہے کہ اس کا مقصد سننے والوں کے دل میں سوز و گداز پیدا کر کے ان پر رقت طاری کرنا، یعنی انہیں رلانا ہے۔ اس میں پھر کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ میر انیس و دبیر مرثیے کے فنی لوازم اور معنوی مقاصد سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان کو جذبات نگاری میں کمال حاصل تھا۔ اگرچہ میر انیس کو ہر طرح کے جذبات کی عکاسی کرنے میں مہارت حاصل تھی لیکن ان کے فنی کمالات کا محور اپنے سامعین پر یہ رقت طاری کرنا ہے اور اس میں وہ کامیاب بھی رہے۔

المیہ تصورات کی تلاش میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے "مومن، ذوق اور ظفر کی مضمون آفرینی، بیان غم اور المیہ تشکیلات" کے عنوان سے دسواں باب ترتیب کیا۔ اٹھارہویں صدی کے پر آشوب سیاسی، سماجی جو ان کے پس منظر میں ان مصنفین کے ہاں بھی المیہ مضامین کا جائزہ پیش کیا۔ کلام مومن خان کے بارے میں ڈاکٹر اسلم انصاری ان کی غزلوں اور مثنویوں کا جائزہ لینے کے بعد یوں گویا ہوتے ہیں:

> "غرض مومن کا یہ انداز سوز و گداز سے زیادہ جوش، بیان، پرواز تخیل اور خیال آفرینی سے عبارت ہے۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ مومن اصل میں ایک خیال آفرین شاعر اور رنج و غم کے بیان سے طبعی مناسبت نہیں رکھتے تھے۔"(۳۱)

مومن نے غزل گوئی میں شہرت حاصل کی۔ اردو شاعری میں ان کا شمار درجۂ اول کے شعراء میں ہوتا ہے انہوں نے ۹ قصیدے اور سات مثنویاں بھی لکھیں۔ مثنوی جہاد کے علاوہ ان کی دیگر مثنویاں عشق و عاشقی کے معاملات سے تعلق رکھتی ہیں۔ بقول سید عبداللہ مومن:

> "مومن عاشقانہ طبعیت رکھتے تھے۔ مزاج میں زود مشتعل جذباتیت تھی۔ شاعری کی ابتداء بچپن سے ہو جانا، شدت جذباتیت کا ثبوت ہے انہوں نے اپنی محبت کے جو قصے اپنی مثنویوں میں خود بیان کئے ہیں ان سے طبیعت کی آزادی اور وارفتگی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مذہبی عقائد سے خاص دلچسپی انہیں ہمیشہ رہی۔"(۳۲)

مومن کا عشق سر بسر مجازی ہے، ان کی شاعری تصوف کے عنصر سے یکسر خالی ہے اور تمام تر معاملات محبت انسانی، زمینی اور مجازی ہیں۔ اسلوب شاعری کے اعتبار سے وہ جرأت کی شاعری اور لکھنؤ کی خارجیت سے بہت متاثر ہیں۔ مومن کے کلام میں شکایت رنگین کی جو صورت ہے اس میں شدید افسردگی اور اضمحلال کی کیفیت نہیں

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے۔ مومن ایک طرف تو لکھنوی دبستان سے متاثر ہوئے لیکن دہلوی شاعری کی متانت اور جذباتی فضابندی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ان کے ہاں جذبات براہِ راست بیان نہیں ہوتے بلکہ خیالی یا غیر حقیقت پسندانہ واقعات کے ایسے سلسلوں میں ظاہر ہوتا ہے جن کی کڑیاں نظروں سے اوجھل ہیں۔ مومن کا اندازِ الم نگاری سوزوگداز سے زیادہ جوش، پرواز تخیل اور خیال آفرینی سے عبارت ہے۔

استاد ابراہیم ذوق دربار سے وابستہ تھے اور تاعمر وہ دربار سے جڑے رہے ان کے کلام میں استادانہ شان پائی جاتی ہے اور زندگی کے گہرے تجزیے کی گواہی بھی ان کی زبان دانی کا ایک جہان معترف رہا ہے لیکن ڈاکٹر اسلم انصاری نے ان کے انفرادی تجربے کو اپنے معاشرے کے لسانی اور تمدنی تجربے سے ہم صورت خیال کرتے ہوئے ان کے کلام میں تفکر اور تخیل کی کارفرمائی کو بھی عمومی تجربے پر محمول کیا ہے۔ ان کے متعلق یوں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

> "اس کے باوجود ناگزیر طور پر کہنا پڑتا ہے کہ ذوق کے ہاں المیہ ٔحیات کا بڑا گہرا اثر یا ذاتی کوئی تجربہ نہیں ملتا البتہ ان کے وجدان کے آئینے میں کبھی کبھی خارجی زوال وانحطاط کی صورتیں اپنی جھلک ضرور دکھاتی ہیں۔"(۳۳)

ذوق نے کم عمری میں شعر گوئی کا آغاز کیا۔ ذوق کی شاعری تجربے کی شاعری نہیں بلکہ روایت کی شاعری تھی۔ اس میں جذبے سے زیادہ تخیل کو اور تخیل سے زیادہ صفت گری کو اہمیت حاصل ہے۔ ذوق دہلی کی زبان کے شاعر تھے اور بہت حد تک دہلی کے لوگوں کے شاعر تھے۔ ذوق کے ہاں عمومی موضوعات کی کثرت پائی جاتی ہے۔ ان کی اردو خالص دہلوی اردو ہے اسے فراق گورکھپوری نے خالص اردو کا بے تکلف نکھار قرار دیا ہے۔ بقول فراق:

> "ذوق کی غزلوں میں جابجا جذباتی خارجی اور داخلی پہلوؤں کی جھلک ملتی ہے۔ اور ان کا کلام نیچر اور بالکل خشک نہیں بلکہ کلام کا زیادہ حصہ خارجی اور مصنوعی قسم کی شاعری کا نمونہ ہے بیان میں ایک پختگی، شائستگی اور استادانہ شان ملتی ہے۔"(۳۴)

بہادر شاہ ظفر جنہیں ذوق کا شاگرد بتایا جاتا ہے، اس نے شدید نامساعد حالات کا سامنا کیا، ضعیف العمری میں جلاوطنی اور عبرت کی زندگی گزارنا پڑی اور اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی حکومت کی تباہی دیکھی اور انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھانے والے اس آخری مغل بادشاہ کی زندگی بہت مصائب کا شکار رہی۔

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

ڈاکٹر اسلم انصاری ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "میر تقی میر کے بعد اردو شاعری میں اگر کسی شاعر کی زندگی اس کے المیہ تصورات یا المیہ طرز احساس کا جواز فراہم کرتی ہے تو وہ بہادر شاہ ظفر ہیں جن کی عملی زندگی ایک بہت تضاد کی الم ناکی کا شکار تھی۔"(۳۵)

ظفر کی مضمون آفرینی اور نئی زمینوں میں شعر گوئی کی تعریف ایک طرف لیکن ان کے ہاں المیہ عناصر کی شدت اور سوزوگداز کے حقیقی سرچشمے جو پھوٹتے ہیں وہ میرؔ اور غالبؔ کے بعد اپنی انفرادی شناخت رکھتے ہیں۔ اس لیے ڈاکٹر اسلم انصاری ان کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

> "انہوں نے غم حیات کی مابعد الطبیعاتی توجیہہ نہیں پیش کی وہ غم کے کوئی مفکر نہ تھے لیکن وہ اپنے اور انسانی غموں کے نغمہ طراز ضرور تھے۔ اگر المیہ شاعری کی کوئی جمالیات موجود ہے تو اس کے نمونے ظفر کی شاعری میں موجود ہیں۔ اگر وہ غزل گوئی میں نہ لکھتے تو ان کی شاعری المیہ شاعری کے گیتوں کا سلسلہ ہوتی۔"(۳۶)

بہادر شاہ ظفر کو جن فنون لطیفہ سے بہت لگاؤ تھا ان میں شاعری، موسیقی اور خطاطی سرفہرست ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کے کلام کا بیشتر حصہ استاد ذوق کے قلم کا مرہونِ منت ہے۔ اگرچہ آزاد نے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو ایجادوں کا بادشاہ قرار دیا ان کے مطابق بہادر شاہ ظفر کو نئی زمینیں اور نئے قوافی تلاش کرنے میں خاص مہارت حاصل ہے لیکن آزاد کا کہنا ہے کہ وہ زمین تو ایجاد کر لیتے ہیں لیکن اسے سنبھال نہیں پاتے۔ اس میں شک نہیں کہ ظفر ایک پُرگو شاعر تھے نئی نئی زمینیں تلاش کرنا ان کا خاصہ تھا اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت بھی۔ بادشاہ کی زندگی افسردگی اور حزن وملال کا عکس رہی ان کے عہد کو تضادات کا عہد کیا جاتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کی غزل میں غزل کی عمومیت سے قطع نظر معنویت کی ایسی سطح پائی جاتی ہے جہاں وہ اپنے آپ کو فرد، ایک انسان کی حیثیت سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

"مرزا غالب اور ان کا فلسفۂ الم وجود و غم حیات" کے نام سے اس مقالے کا گیارہواں باب ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری اس باب میں غالب کے ہاں اذیت پسندی، الم پسندی اور حزن وملال کو بیان کرتے ہیں۔ غالب کے ہاں غم کی جو شکلیں نظر آتی ہیں انہیں غم ذات، غم روزگار، افسردگی اور ناتمامی اور بے ثباتی وعالم کے غم کی صورت سمجھ سکتے ہیں۔ غالب کی یہ خوبی ان کا خاصہ ہے کہ وہ غم میں بھی نشاط کا پہلو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

اسلم انصاری ان کے متعلق یوں گویا ہوتے ہیں:

"غالب جمال زیست کے تمنائی اور شیدائی ہیں اور الم کے پہلو میں بھی نشاط کے پہلو نکال لینے میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ نشاطِ الم ان کی ایک پسندیدہ ترکیب ہے۔ نشاط کو الم کے ساتھ اور الم کو نشاط کے ساتھ ترتیب دینے میں انہیں واقعی مہارت حاصل ہے۔" (۳۷)

مرزا غالب کو اردو شاعری میں جو امتیاز اور عظمت و مقام حاصل ہے اس نے ان کی شاعری کے ہر پہلو کو قابل توجہ اور قابل مطالعہ بنادیا ہے۔ انہوں نے اردو شاعری میں غزل میں جذبے کی شدت، فکر و تخیل اور اندازِ بیان کو جو وسعت اور بلندیاں عطا کیں وہ کہیں اور نہیں ملتیں۔ مرزا غالب نہ صرف شاعری کو نیا جہان معنی عطا کیا بلکہ اردو زبان کو بھی ایک نئے مقام سے روشناس کرایا۔ غالبؔ کے کلام میں غم و حزن کی جھلک مسرت و اطمینان سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس اعتبار سے ان کے نزدیک غم لازم بھی ہے اور ثمرۂ حیات بھی ہے۔

اپنی ذات کے حوالے سے جو موثر اور جمالیاتی الم نگاری مرزا غالب نے بیان کی ہے وہ ان کی شاعری کا بہترین سرمایہ ہے۔ مرزا غالب غم روزگار ایک بہت بڑی حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ افسردگی اور احساسِ ناتمامی کے بعد غالب کے ہاں ذاتی احساسات میں بھی شدید تشنگی اور مایوسی کا احساس ہے۔ عیش و نشاط اور عشرت کے الفاظ بھی غالب کی شاعری میں ملتے ہیں ان کے ہاں بے ثباتی عالم کا مضمون نہایت کم بیان ہوا ہے لیکن زندگی کے فانی ہونے کا احساس ان کے شعری جمالیات کا ایک بنیادی عنصر ہے۔

اس مقالے کا بارہواں باب "مولانا حالی غم کے اجتماعی تصور" کے عنوان سے ہے۔ ان کے غم کی جہات کو یادِ ماضی قوم اور انسانیت کے غم سے عنوان کرتے ہیں۔ غالب کے غم کے تصور کی تکمیل وہ حالیؔ کے ہاں پاتے ہیں۔ مولانا حالیؔ صحیح معنوں میں پڑھے لکھے انسان تھے ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ انہیں مسلمانوں کے زوال کا غم تھا یہ غم ان کی "مسدس حالی" میں واضح دکھائی دیتا ہے۔

ان کے بارے میں ڈاکٹر اسلم انصاری یوں گویا ہوتے ہیں:

"ظاہر ہے کہ حالی کا مقصود محض الم نگاری نہیں، پند و نصیحت ہو یا طنز و تشنیع، بیان واقعہ ہو یا تمثیل نگاری ان سب کا مقصد قوم کی اصلاح ہے اس لیے نظم کے مطلب میں جو سوگواری ہے وہ حالی کا فنی مقصود ممکن ہے نہ ہو تاہم پوری نظم میں یادِ ماضی کی ایک کیفیت عیاں ہے۔" (۳۸)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلہ

مولانا حالی سرسید احمد خان کی طرح ایک قوم کے مصلح تھے لیکن جہاں سرسید احمد خان ایک عملی اور اخلاقی مفکر تھے وہاں حالی کے پہلو میں ایک شاعر کا دل بھی دھڑکتا تھا۔ان کی قدیم غزلیات میں شوخیات اور رندی کے مضامین شامل ہیں اور معاملات عشق وحسن کے مضمون بھی۔ قومی اصلاح اور مقصدی شاعری ان کا اثاثہ ہے۔ ان کا عظیم ترین فنی کارنامہ "مسدس مدوجزر اسلام" ہے۔حالی کی شاعری کا ایک بڑا حصہ قوم کی موجودہ حالتِ زوال کے غم کے بیان سے عبارت ہے۔ان کی ایک طویل قومی نظم "شکوہ ہند" ہے جس میں بھی برصغیر کی قوموں کے زوال کو موضوع سخن بنایا ظاہر ہے کہ حالی کا مقصود محض الم نگاری نہیں پندونصیحت ہو یا طنزو تشنع بیان واقعہ ان سب کے پیچھے مقصد ایک ہی ہے وہ ہے قوم کی اصلاح۔

اسلم انصاری اس کی تمہید میں یوں رقمطراز ہیں:

> "اگرچہ اقبال کے ہاں تصویر زندگی سے زیادہ تر رنگ شوخ اور نمایاں ہیں اور علی العموم مستقبل پسندی، غلبہ واستیلا، تسخیر کائنات اور ہمت مردانہ کے تصور سے ابھرتے ہیں۔ اقبال کے ہاں بھی زندگی کے المیہ کے پہلو پائے جاتے ہیں بلکہ وہ اردو کے واحد شاعر ہیں جن کے ہاں المیہ تجربے کی ایک مختلف اور منفرد تعبیر ضرور ملتی ہے۔"(۳۹)

اقبال کے ہاں غم کی فضا دنیا میں مسلمانوں کے دگرگوں حالات کے باعث تخلیق ہوئی بانگ درا کے علاوہ ان کے تمام کلام کے اندر ہمیں مسلمانانِ برصغیر کا زوال، اخلاقی زوال کا غم کی داستان ملتی ہے۔اسلم انصاری نے اس باب میں زندگی کے مختلف ادوار میں حزن ویاس کی وجوہات پر تفصیلی معلومات مرتب کی ہیں۔یہاں تک کہ اقبال کے خطوط میں ان کے نجی معاملات اور گفتگو سے وہ ان کے المیہ عناصر بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں۔مکاتیب اقبال میں وہ عطیہ فیضی کو لکھے گئے خطوط کو اساس بنا کر یہ خیال اظہار کرتے ہیں۔

> "اگرچہ عطیہ نے اقبال کی پوری زندگی کو ایک سفاکانہ المیہ قرار دیا ہے لیکن ان کی شعری اور فکری عبقریت کے غیر معمولی ثمرات ملتے ہیں۔اقبال نے اپنی ذاتی غم جو کہ زیادہ تر ان کی ازدواجی زندگی کے ابتدائی سالوں کی تلخیوں کا نتیجہ تھا، ایک بڑے اور غیر شخص غم یعنی ملت اور قوم کے غم میں تبدیل کر دیا۔"(۴۰)

اقبال کے ہاں غم کا ایک اور سرچشمہ جسے اسلم انصاری نے "غم دیگر" کا نام ہے۔عشق حقیقی کی راہ میں محبوب سے فراق اور پھر اس فراق میں وصال کا انتظار دنیاوی زندگی کے دن کاٹنے پر منتج ہوتا ہے۔اقبال خودی کے

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

ارتقاء کے لئے اس کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس تڑپ اور بے قراری سے المیہ ہی تخلیق پاتا ہے۔ اسلم انصاری کی رائے میں:

> ”غرض غم کا وہ انوکھا سا احساس جو اقبال کی شاعری میں ابھرا وہ رومانوی طرز احساس بن کر ابھرا تھا۔ ارتقاء اور ترفع کے غمی مراحل طے کر کے انسان کے غم کے ایک آفاقی تصور میں ڈھل گیا تھا۔ اس اعتبار کے غم اقبال کے تصور غم اردو شاعری کی عمومی یاسیت اور انفرادیت کا کنارہ ہے اور تاریخ کے مطالبوں کا جواب بھی۔“(۴۱)

اقبال کی شاعری مسلمانوں اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی علامت بن چکی ہے۔ ان کے افکار نے مسلمانوں کے اندر نئی روح پھونک دی۔ ان کے ہاں ”خون جگر“ کی اصلاح کثرت سے پائی جاتی ہے۔ اقبال کے ہاں المیہ تصورات اور حزنیہ کیفیات کی کثرت بھی پائی جاتی ہے۔ اقبال نے غم کو شعوری طور پر ایک ہی سطح پر قبول کیا ہے جہاں اس کو نصب العینی کا مفہوم دیا جا سکے۔

اس مقالے کا آخری باب ”فانی بدایونی وجود رد قلم، علاج نامعلوم“ کے نام سے ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ میں غم پسندی کی روایت کا آغاز میر ان کے مضامین سے ہوا تو اس کی تکمیل فانی کی شاعری میں مکمل ہوئی۔ فانی بدایونی کو غم کا شاعر قرار دیا جاتا ہے۔

اسلم انصاری کے مطابق میر اور غالب اپنے اپنے تصورات غم اور احساس الم کے باوجود زندگی کے شاعر بھی ہیں۔ لیکن فانی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف غم کے شاعر ہیں۔ فانی کا شعری رنگ چونکہ لکھنوی انداز لئے ہوئے تھا لہٰذا اس میں غم پسندی کے مضامین کا ہونا روایتی پس منظر کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن ان کے ہاں ”جبلت مرگ“ المیہ عناصر کی سب سے بنیادی وجہ ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے تفصیل کے ساتھ جبلت مرگ کی اصلاح پر روشنی ڈالی وہ فراق گورکھپوری کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ ”فانی کی شاعری کو موت کی انجیل کہا جائے تو غلط نہ ہو گا“۔ اسلم انصاری فانی کے متعلق یوں گویا ہوتے ہیں:

> ”فانی کو اردو شاعری کے دائرہ غم کا نقطۂ تکمیل کہنا بہت بڑی تعظیم ہو گی لیکن کچھ ایسے غلط نہ ہو گی لیکن اس کے مقابلے میں فانی کو ایک طویل زوال کے طرز احساس کا منطقی انجام کہنا بھی بے جا نہ ہو گا۔ لکھنوی شاعری جو نشاط پسندی کے نیچے دب کر رہ گئی تھی وہ شاعری فانی کی صورت میں آرزوئے مرگ بن کر ابھری اور مکمل ہوئی۔“(۴۲)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

حوالہ جات

۱۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”اقبال عہد ساز شاعر اور مفکر“، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص ۴۷

۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ”اسلم انصاری، شخصیت و فن“، (ملتان: کتاب نگر، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۱۰

۳۔ شائلہ نورین، ”ڈاکٹر اسلم انصاری کی علمی و ادبی خدمات“، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)، (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۹ء)، ص ۲۰۸

۴۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، ”اردو غزل“، (لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۶۴ء)، ص ۱۳۶

۵۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”اردو شاعری میں المیہ تصورات“، (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۰۸ء)، ص ۲۶

۶۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”فکر و انتقاد“، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۹ء)، ص ۶۰

۷۔ شائلہ نورین، ”ڈاکٹر اسلم انصاری کی علمی و ادبی خدمات“، ص ۱۲۵

۸۔ ایضاً، ص ۲۶

۹۔ ایضاً، ص ۲۶

۱۰۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”فکر و انتقاد“، ص ۱۵۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۵۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۱۳۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”اردو شاعری میں المیہ تصورات“، ص ۱۳

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۱۷۔ شائلہ نورین، ”ڈاکٹر اسلم انصاری کی علمی و ادبی خدمات“، ص ۱۳۴

۱۸۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”اردو شاعری میں المیہ تصورات“، ص ۷۶

۱۹۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”قائم چاند پوری کی حزنیہ تشکیلات“، مشمولہ: ”اردو شاعری میں المیہ تصورات“، ص ۷۶

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

۲۰۔ ایضاً، ص ۶۷

۲۱۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”دبستانِ لکھنو اور الم پسندی کی شعری روایت“، مشمولہ: ”اردو شاعری میں المیہ تصورات“، ص ۱۹۷

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۰۱

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۰۳

۲۴۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”دبستانِ لکھنو کی مثنویوں میں الم نگاری کے چند اسلوب“، مشمولہ: ”اردو شاعری میں المیہ تصورات“، ص ۲۰۷

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۱۶

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۳۱

۲۷۔ ایضاً، ص ۲۳۴

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۵۵

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۵۹

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۶۹

۳۱۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”دبستانِ لکھنو کی مثنویوں میں الم نگاری کے چند اسلوب“، مشمولہ: ”اردو شاعری میں المیہ تصورات“، ص ۳۲۱

۳۲۔ ایضاً، ص ۳۲۳

۳۳۔ ایضاً، ص ۳۳۴

۳۴۔ ایضاً، ص ۳۳۸

۳۵۔ ایضاً، ص ۳۴۱

۳۶۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”دبستانِ لکھنو کی مثنویوں میں الم نگاری کے چند اسلوب“، مشمولہ: ”اردو شاعری میں المیہ تصورات“، ۳۴۵

۳۷۔ ایضاً، ص ۳۸۴

۳۸۔ ایضاً، ص ۴۱۲

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلّہ

۳۹۔ ایضاً، ص ۴۳۲

۴۰۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، ”دبستانِ لکھنو کی مثنویوں میں الم نگاری کے چند اسلوب“، مشمولہ: ”اردو شاعری میں المیہ تصورات“، ص ۴۳۷

۴۱۔ ایضاً، ص ۴۵۴

۴۲۔ ایضاً، ص ۴۷۰